کی عقد میں آ گئیں۔ نبی اکرم ﷺ کی دو صاحبزادیاں یکے بعد دیگرے جناب عثمان کے حبالہ عقد میں آنے کی وجہ سے عام لقب ''ذوالنورین'' پڑ گیا۔ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا غزوہ بدر کے بعد ۲ ہجری میں فوت ہوئیں پھر حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا آپ کے عقد میں آئیں اور سنہ ۹ ہجری میں وفات پا گئیں۔ اس پر نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ''اگر میری کوئی بیٹی اور ہوتی تو میں اس کا نکاح بھی عثمان سے کر دیتا۔ [فتح الباری، طبقات ابن سعد، المعارف ص ٦٢]

علامہ مجلسی اپنی کتاب حیاۃ القلوب [۵۸۸/۲ باب ۵۱] میں ابن بابویہ قمی سے بسند صحیح نقل کرتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے لیے ام المؤمنین خدیجہ سے قاسم، عبداللہ طاہر، ام کلثوم، رقیہ، زینب اور فاطمہ رضی اللہ عنہا پیدا ہوئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے، حضرت ابوالعاص بن ربیع اموی نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے شادی کی۔ [الشیعۃ و اهل البیت ص ۱۳۹ [یہی روایت عن جعفر بن محمد عن ابیہ] حمیری کی کتاب قرب الإسناد ص ٦ میں منتهی الآمال ۱۰۸/۱ عن جعفر الصادق، اور تنقیح الرجال ۷۳/۳ میں مذکور ہے۔]

محمد جواد کی کتاب امیر المؤمنین میں زیر "عنوان علی فی عهد عثمان" ص ۲۵٦، مروج الذهب للمسعودی ۹۸/۲ ط مصر، اصول کافی ۴۳۹/۱، نور الثقلین للعروسی ۳۰۳/۳ اور ترجمہ نہج البلاغہ از مفتی جعفر ص ۴۲۹ میں جناب علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ایک طویل نصیحت میں فرمایا ''**أنت أقرب إلی رسول اللّٰہ وشیجۃ رحم منهما وقد نلت من صهره مالم ینالا فاللّٰہ اللّٰہ فی نفسک**......'' کہ آپ ابوبکر و عمر کی نسبت رشتے میں رسول اللہ سے زیادہ قریبی ہیں اور آپ کو وہ شرفِ دامادی حاصل ہے جو ان کو حاصل نہیں، پس اللہ را اپنے بارے میں اللہ کا خوف کھائیے!

۳۔ **زینب بنت الرسول ﷺ**: آپ سے حضرت ابوالعاص بن الربیع اموی نے شادی کی۔ جنگ بدر میں وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس قیدیوں میں شامل ہو کر پہنچے۔ حضرت زینب نے اپنے شوہر کے فدیے میں اپنی ماں ام المؤمنین خدیجہ رضی اللہ عنہا کا ایک ہار بھیجا، جسے ابوالعاص نے پیش کیا۔ آپ ﷺ اس ہار کو دیکھ آبدیدہ ہو گئے، آپ کو اسے دیکھ کر خدیجہ یاد آنے لگی تھی۔ آپ ﷺ نے صحابہ کرام کے مشورے سے ہار واپس کر دیا اور بلا معاوضہ ابوالعاص کو چھوڑ دیا۔ البتہ ان سے یہ عہد لیا کہ وہ واپس جا کر زینب کو بحفاظت یہاں بھیج دیں گے۔ چنانچہ انہوں نے عہد کی پاسداری کرتے ہوئے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو مدینہ بھیج دیا۔ جب کچھ عرصہ بعد ابوالعاص مشرف بہ اسلام ہو گیے تو حضرت زینب دوبارہ انہیں کو بخش دیا۔ [سنن ابی داؤد] ایک موقع پر رسول اکرم ﷺ نے ابوالعاص کے ایفائے عہد کی خوب تعریف کی۔ [صحیح بخاری، مسلم] اس نکاح اور رشتہ داری کا ذکر درج ذیل مصادر میں ہے: [انساب الاشراف ۱/ ۱، المحبر ص ۷، اسد الغابہ ۱۹۱/۵، منتهی الآمال ص ۱ الفصل التاسع]

بلتستان تاریخِ ادب وثقافت

ماسٹر محمد اسماعیل فضلی

بلتی نسل:

مؤرخین کے مطابق تبت خورد بلتستان میں مختلف نسل کے لوگ آ کر آباد ہوئے، کیونکہ یہاں کے زمینی خدوخال اور فطری وجغرافیائی حالات پرسکون اور امن وامان کے لیے انتہائی موزون تھے۔ جدید تحقیق کے مطابق یہاں مختلف انسانی نسلیں آباد ہیں؛ ان میں آریا، منگول، تبتی، ایرانی، ترک اور مصری نسلیں شامل ہیں۔

قدیم مؤرخین کا کہنا ہے کہ یہاں بسنے والے اولین انسانوں میں سکندر اعظم کی افواج کا حصہ رہا ہے۔

الجیرن فان ڈیورنڈ نے یہاں کا طول وعرض دیکھا، وہ لکھتا ہے کہ بلتی اور تبتی کسی حد تک ایک ہی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس لیے کہ ان کی رنگت، قد کاٹھ، شکل وشباہت، گول چہرہ، پست قد، سادگی اور جفاکشی کا فی حد تک مشترک ہیں۔ یہ یہاں کے باشندوں کے مزاج کا خاصہ ہے۔

F.E.Nite کے مطابق بلتی منگول شکل وشباہت کے لوگ ہیں۔ ان میں لداخیوں کی شباہت کی آمیزش پائی جاتی ہے۔ چھور بٹ، پوریگ اور کارگل کے لوگوں اور لداخیوں کی شکل میں فرق کرنا انتہائی مشکل ہے۔ باقی اکثر علاقوں میں آرین خون کی آمیزش بھی نمایاں نظر آتی ہے۔

لوک کہانیوں اور لوک گیتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہاں کی قدیم ترین تاریخ میں طویل عرصے تک حکمرانی اور مشترکہ نظام کا کوئی دستور نہ تھا۔ البتہ عرب سرزمین کے نظام کی طرح یہاں بھی خاندانی سرداری کا نظام رائج تھا۔ بعد میں ان عمیق گھاٹیوں میں جہاں چھوٹے چھوٹے زرعی اراضی سے مواضعات یا گاؤں قائم تھے، جہاں کی حد فاصل یا تو دریا اور ندی نالے ہوا کرتے تھے یا ناقابل عبور عمودی پہاڑوں کے فصیل ہوتے تھے ان کے اندر کسی حد تک سرداری طرز کی نمبرداری کا نظام قائم ہو گیا تھا۔

جب زمانے نے تھوڑی سی ترقی کی تو (رگیالپو) یعنی بادشاہی نظام نے انتظامات سنبھال لیے۔ یہ شاہی نظام تبت کے طول وعرض میں پھیلا ہوا تھا۔ مگر رسل ورسائل اور آمد ورفت ناممکن نہیں تو انتہائی مشکل اور جان جوکھوں کا کام ضرور تھا۔ اکثر

علاقے گرمیوں میں، جب دریا اور ندیاں جو بن پر ہوتیں تو دیگر علاقوں سے کٹ جاتے تھے۔ بہت سی گزرگاہیں ایسی بھی تھیں جو موسم سرما میں طوفانی برفباری، گلیشیروں کے بڑھنے اور یخ جمنے سے ناقابل عبور ہو جاتی تھیں۔

بلتستان کے دنیا کی نظروں سے اوجھل رہنے اور قدیم تاریخ کے رقم نہ ہونے کا بنیادی سبب اور پسماندگی کی اصل وجہ اس کے ''طبعی'' خدوخال بتائے جاتے ہیں۔ ان مشکل حالات کی وجہ سے رگیا پوان علاقوں کو اپنے کنٹرول میں لانے سے قاصر رہے۔ خاص کر مختلف وادیوں اور دور دراز بستیوں تک ایک مرکز سے رسائی آسان کام نہ تھا؛ اس کے باوجود انحائے عالم سے مہم جو حضرات ان دلفریب وادیوں میں پہنچے تو نت نئے رسوم وآداب یہاں بھی رواج پا گئے۔

F.E.Nite جب یہاں سے گزرا تو یہاں راجگی نظام رائج تھا؛ جن میں سے اکثر کا تعلق ترکی اور مصر سے تھا۔ مذہب پر ایرانی مبلغین کا قبضہ تھا۔ روایات کے مطابق یہ لوگ سید خاندانوں سے تعلق رکھتے تھے۔ F.E.Nite کا کہنا ہے کہ یہاں کے باشندوں کی رشک آمیز صحت، چہروں پر چھلکتی بشاشت، انتہائی محنت و جفاکشی اسی علاقے کے زمینی خدوخال، تازہ پانی و ہوا اور ملاوٹ سے پاک خوراک کے سبب سے ہے۔

ڈیرومرفی نامی سیاح لکھتا ہے کہ یہاں کے باشندوں کی شکل وصورت، لباس اور بود و باش، رنگت وطرز زندگی خالص تبتی ہے۔ ان کے اندازِ روزگاری، طریق معاش اور تہذیب وتمدن بھی ملاوٹ وتصنع سے پاک تبتی ہے۔

Whon Seen نامی سیاح اور محقق کے مطابق بلتستان میں مخلوط نسل اور شکل کے لوگ بستے ہیں۔ یہاں کے راجگان ترک اور مصری نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔ سید خاندان کے لوگ ایران سے آئے ہیں یا وسط ہند کے باشندے ہیں۔ عوام الناس کا تعلق تبت اور منگولیا سے ہے، جو یہاں کے قدیم باشندے بن بیٹھے ہیں۔

یہی بات فطرت کے عین مطابق ہے کہ اس علاقے کے باشندوں کی اکثریت قریب ترین علاقوں کی نسل سے تعلق رکھتی ہے۔ طرز زندگی، طریق بود و باش، رسوم ورواج، تہذیب وتمدن، آداب واطوار اور مذہبی اعتبار سے باہم ملتے جلتے ہیں یا کسی حد تک اثر پایا جاتا ہے۔ بلتستان کے حکمرانوں میں مقپون مصری ہیں، یبگون اور عماچہ ترکی۔ اور سادات کا تعلق ایرانی نسل سے ہے۔

بلتستان قبل از اسلام:

نور اسلام کی ضیا پاشیوں سے قبل بلتستان کے حالات بھی دور جہالت کے عرب سے کم نہ تھے۔ راجگان کے جور وستم،

نمبرداری نظام کے روح فرسا واقعات، سکھوں اور خالصہ سرکار کے رونگٹے کھڑے کر دینے والے مظالم، ہندوؤں کی خون منجمد کر دینے والی بدسلوکیاں اور سادہ لوح عوام کی مجبور و مقہور غلامانہ زندگیاں انسانیت کے منہ پر بھرپور طمانچہ تھیں۔ توہم پرستیاں یہاں بام عروج پر تھیں، جن کے اثرات آج بھی کسی نہ کسی شکل میں موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کم اور باطل عقائد کا آج بھی عام چرچا ہے۔ مقامی توہم پرستی پر مبنی مذہب بون چھوس رائج تھا، جس کے مطابق بادشاہ کو دیوتا کی اولاد تصور کیا جاتا تھا۔ مقامی زبان میں انہیں ''ہلا'' اور ''ہلانو'' تصور کیا جاتا تھا۔ ان کا کام رعایا کی فلاح و بہبود ہرگز نہ تھا، وہ عوام کا خون چوستے، ان کی محنت ومشقت سے کمائی ہوئی دولت ہڑپ کرتے۔ دیوتاؤں کے نام پر جانی و مالی قربانیاں طلب کرتے۔ لوگ عافیت اور بھلائی گردانتے ہوئے ہر قسم کا ظلم وستم سہ جاتے؛ بلکہ اسی میں خوشی محسوس کرتے تھے۔ ان کے خیال میں وہ ظل الٰہی ہوتے (نعوذ باللہ) ہلافو کیسر کے بارہ ابواب پر مشتمل داستان اس امر کے ثبوت ہیں۔ ہلافو کیسر ایک غریب اور کثیر الاولاد باپ کا سب سے چھوٹا بیٹا تھا؛ مگر نہایت بہادر، محنتی، مدبر اور ذہین تھا۔ اپنی ذہانت اور بہادری کے بل پر اس نے سارے تبت میں فتح کے جھنڈے لہرائے۔ حتی کہ وہ ''ہلافو'' یعنی دیوتا بن بیٹھا۔ بعد میں توہم پرستوں نے اس سے لاتعداد واقعات منسوب کر لیے۔ اتنے کرامات اسلامی عقائد میں جلیل القدر اولیاء کے پاس بھی موجود نہیں۔ آج بھی اکثر لوگ ان داستانوں کو مبنی برحقیقت تسلیم کرتے ہیں۔ **اللّٰھم اھد قومی فإنھم لایعلمون۔**

فی الحقیقت ان توہمات اور من گھڑت داستانوں نے حقیقت معبودیت کو چیر پھاڑ کر رکھ دیا ہے۔ وزیر احمد شگری رقم طراز ہے کہ ابتدائے آبادی سے آٹھویں صدی ہجری کے اواخر تک یہاں بسنے والے بدھ مت سے تعلق رکھتے ہوئے بھی بون مت کے پیرو تھے۔ بت پرستی، اوہام پرستی اور جہالت کے گھٹاٹوپ اندھیروں میں غرق تھے۔ میر نجم الدین ثاقب نے اس دور کے اخلاقی اقدار کو ان الفاظ میں منظوم کیا ہے:

چو شب بود تبت ز ظلم و ضلال — فخر کرد ہر یک بخلقش ذمیم
چناں بود ظلمت بے عقل و دیں — کہ دزد و دغا را دانند غنیم
تراشید سنگے بہ شکل کسے — ازاں بعد پرستند بے باک و بیم
اگر یافت سنگ و درختے عجیب — بگردش میگرد بعزم صمیم
بطنبور و طبل و شرب و شراب — بہ لہو و لعب بود دائم غریم

[نور المؤمنین ص ۴۴۴، ہفت روزہ ''بادشمال'' ۱۔۸ جون ۱۹۵۹ء، تذکرہ علمائے بلتستان ص ۱]

''ظلم وستم اور شرک وجہالت کی وجہ سے تبت شب تار کی طرح تاریک تھا۔لوگ اپنے مذموم اور ناپسندیدہ اخلاق پر فخر مباہات کیا کرتے تھے۔ظلم وجہالت کا اس قدر غلبہ تھا کہ لوگ چوری کے مال کو مالِ غنیمت سمجھتے تھے۔مختلف شکلوں کے بت بنا کر رکھتے تھے۔مختلف ہیئت اور شکلوں کے درختوں، پہاڑوں، چٹانوں اور ندی نالوں کی پرستش کرتے تھے۔عجیب الخلقت جانوروں، عجیب وغریب درختوں اور پتھروں کا طواف کرتے اور منتیں مانی جاتیں، ڈھول باجے، رقص وسرور، شراب (چھنگ) نوشی اور کھیل تماشوں میں مصروف رہتے تھے۔آج بھی کم وبیش اور کسی نہ کسی شکل میں ایسی پرستش پائی جاتی ہے۔

موضع سینو ضلع گنگ چھے کے اوپر ایک عمودی پہاڑ کے بیچ میں ایک درخت ہے، جس تک رسائی اس ترقی یافتہ سائنسی دور میں بھی ممکن نہیں۔کہاوت ہے کہ ایک بہادر شکاری باپ بیٹوں کو یہ خیال گزرا کہ یہ درخت جسامت میں بہت بڑا ہے، کیوں نہ اس کو کاٹ کر لایا جائے۔یہ جنگلی درخت مقامی زبان میں ''شوکپہ'' اور ''رپیلو'' کہلاتا ہے۔باپ بیٹوں نے اس کو کاٹنے کی غرض سے سینکڑوں فٹ لمبی رسی تیار کی، جس کے ذریعے بیٹے کو درخت تک پہنچا دیا گیا۔بیٹے نے کلہاڑی سے پہلی ضرب لگائی تو درخت سے خون کے پھوار بہہ نکلے اور اس کی چیخ وپکار بلند ہونے لگی..... بیٹا وہیں جامد ہو گیا اور قرب وجوار کی بستیوں پر آفتیں ٹوٹ پڑیں۔ایسی لوک (Folk) حکایتوں سے متاثر ہو کر اب بھی بہت سے توہم پرست مسلمان لوگ وہاں فاتحہ پڑھتے اور منتیں مانتے دیکھے گئے ہیں۔

ناچ گانے، رقص وسرور کی محفلیں سجائی جاتی تھیں۔مذہب وثقافت کے نام پر کئی رسمیں ادا کی جاتی تھیں۔یہ میلے کئی کئی دنوں تک پورے آب وتاب کے ساتھ جاری رہتے تھے۔لہو ولعب کے ان تہواروں پر جمع پونجی بے بہا لٹائی جاتی تھی۔پرانی تہذیب وثقافت کے شیدائیوں کی کچھ تعداد آج بھی موجود ہے۔ان کا عزم ہے کہ چاہے کچھ بھی ہو بلتی ثقافت قائم رہے؛ حتی کہ یہ لوگ دین اسلام سے متصادم ثقافتی وتمدنی روایات کا بھی پرچار کرتے ہیں۔

بہت سے مذہبی اور ثقافتی تہوار خیالات باطلہ کے مظاہر تھے۔ان میں سے ''مے فنگ'' یا ''ڈنڈا فنگمہ'' مجوسیوں کی ایک یادگار ہے، جسے ایران میں زرتشی ''گلخن'' کہتے ہیں۔ایسے ہی ''میندوق ہلتمو'' سے بلتی لوگ خاص عقیدت رکھتے ہیں۔

ستروپ لا بھی ایک اہم تہوار ہے، جس کا تعلق بون مذہب سے ہے۔بتایا جاتا ہے کہ اس تہوار میں بجائے جانے والے سازوں اور کرتبوں کے ذریعے دیوتاؤں کو خوش کیا جاتا ہے۔فصل دینے والے دیوتا خوش ہو کر اچھی فصل دیتے ہیں۔

اب رفتہ رفتہ ان باطل عقائد اور رسومات میں کمی واقع ہو رہی ہے۔ایسے ہی متعدد امور میں محض توہم پرستی کی بنا پر بدشگونیاں لی جاتی ہیں۔آج کے اس جدید دور میں علم وعرفان کا نور چہار دانگ عالم میں پھیل چکا ہے، مگر اب بھی بلتی لوگ متعدد